نیلوفر زمان ٭
ڈاکٹر ذکیہ رانی ٭٭

قیامِ پاکستان سے قبل کراچی کا علمی و ادبی منظر نامہ
(۱۹۴۷ء تک)

Academic and Literary activities of Karachi before Pakistan till 1947.
By *Nilofar Zaman, Research Scholar, Department of Urdu, Federal Urdu University, Karachi.*
Dr. Zakia Rani, Assistant Professor, Department of Urdu, University of Karachi.

ABSTRACT

As regarded one of the prominant cities of Pakistan, Karachi has been often called as a mini-Pakistan. In this research article, an account of academic and literary activities of Karachi before the emergence of Pakistan has been given. Literary history of Karachi from 1870 to the creation of Pakistan carries academic and literary heritage. In this article, social and cultural activities of the city in the perspective of its location, geographical background and history have been compiled in the light of authentic references. Literary gatherings, poetic sessions and activities held under educational institutions and literary organisations have also been presented in the research.

Keywords: Tareekh, Sikandr-i-Azam, Barhman, Bandargah, Mushaeray, Anjuman Taraqqi Urdu, Anjuman Taraqqi Pasand Musannifeen, Urdu Conference, Bazm-i-Sukhan, Nasr Nigari.

ملکۂ مشرق، عروس البلاد، روشنیوں کا شہر جیسے القابات سے ملقب کراچی پاکستان کے تمام صوبوں کی نمائندگی کا

٭ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی، کراچی
٭٭ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی، کراچی

حامل ہے۔ کراچی کی یہی صفت اسے منی پاکستان کہلواتی ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل کراچی کے علمی و ادبی منظرنامے کے حوالے سے اس فقید المثال شہر کی تاریخ اور جغرافیائی صورت حال کا تذکرہ خالی از علت نہیں۔

کراچی کے حوالے سے متعدد کتابیں، تحقیقی مضامین اور تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں اور مزید بھی لکھے جا رہے ہیں۔ تاریخی کتابوں میں اس شہر کا تذکرہ اس کی اہمیت پر دال ہے۔ تاریخ میں کراچی کا ذکر ۲۵۰۰ ق م میں بندرگاہ کی موجودگی کی شہادت لیے ہوئے ہے کہ جس کے اطراف میں بستی آباد تھی۔[۱] مسٹر ماسکل (Mr. Maskal) نے تحقیق کے بعد کراچی کو ''الیگزنڈریا'' قرار دیا۔ جہاں سکندر اعظم نے قیام کیا تھا اور جس کا تذکرہ جنرل نیارکس نے ۳۲۶ قبل مسیح میں تحریر کردہ اپنی یادداشتوں میں کیا تھا۔[۲] ایک اور روایت کے مطابق کراچی میں بدھ مت کے پیروکاروں کی حکمرانی رہی اور برہمنوں کی یورش نے اس کا خاتمہ کیا۔[۳] بعدازاں ۷۱۲ء کا تاریخی واقعہ بھی محمد بن قاسم کی سندھ آمد کے حوالے سے اس کی آبی گزرگاہ کا گواہ ہے۔[۴] بعض کے مطابق ساحلِ سندھ کی معروف بندرگاہ کھڑک کے ناقابلِ استعمال ہونے نے تاجروں کو اس قدرتی بندرگاہ کی جانب متوجہ کیا اور ۱۷۲۹ء میں بحری قزاقوں سے حفاظت کے پیشِ نظر اطراف میں حفاظتی دیوار یا فصیل بنائی گئی۔ کھڑک بندر کی آبادی بھی یہاں منتقل ہوئی۔ اس فصیل کی حدود کیماڑی کے ساحل سے لے کر بولٹن مارکیٹ کے ساتھ موجود Rampart Road تک تقریباً تیس پینتیس ایکڑ تک تھیں۔ اس فصیل کے دو دروازے تھے ایک ''میٹھادر'' اور دوسرا ''کھارادر'' اس نام سے یہ اب بھی موجود ہیں مگر فصیل کا نام و نشان آبادی کی کثرت سے مٹ گیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ دونوں دروازے ناؤمل نے بنوائے تھے۔[۵] سیّد ادیب حسین ''کراچی اور اس کی بندرگاہ'' میں لیفٹنٹ جان پورٹر کی تحریر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لیفٹیننٹ جان پورٹر (John Porter) تحریر کرتا ہے کہ وہ ۱۷۷۴ء ''میں وہ کراچی آیا اور ایک سال تک یہاں رہا، یہ شہر بندرگاہ سے فاصلے پر موجود ہے اور اس کے شہر کے گرد ایک کچی فصیل بھی ہے۔'' اسی طرح دوسرے مؤرخین بھی اس کی دیواروں کا خستہ ہونا اور ان پر حفاظتی ضروریات کے لیے توپوں کی نشان دہی کرتے نظر آتے ہیں۔''[۶]

پنجاب، بلوچستان، کابل، ایران وغیرہ کو اشیائے ضروریہ کی فراہمی اسی بندرگاہ سے ہوتی رہی اور کراچی تجارتی منڈی ہونے کے سبب اہلِ عرب و عجم کے لیے اہمیت کا حامل رہا۔ ۱۰۰ سال قبل کراچی کی مرکزی شاہراہ بندر روڈ کے نام سے موسوم تھی جو عامل کالونی (موجودہ قائداعظم کے مزار) سے کیماڑی تک جاتی تھی۔ اب اسے ایم اے جناح روڈ کہا جاتا ہے۔[۷]

عروس البلاد اور ملکۂ مشرق کے القابات سے معروف کراچی کے ابتدائی ناموں میں لیفٹنٹ کارلس کی تحقیق کے مطابق کراچی کو 'کورک' اور اس کی بندرگاہ کو 'اورنگا بندر' کہا جاتا تھا۔ سکندر اعظم کے جرنل نیارکس نے اپنی کتاب 'انڈیکا'

میں ۲۳۵۶ قبل اسے 'سکندر کی جنت' اور 'مورون ٹوبارا' درج کیا ہے۔جغرافیہ داں بطلیموس نے اپنے نقشے میں اسے 'قسس مرسلینس' کے نام سے واضح کیا ہے۔انسائیکلوپیڈیا امریکانا کی جلد اوّل میں اس کا ذکر ۳۵۶ قبل مسیح کے حوالے سے 'الیگزینڈریا' کے نام سے مندرج ہے۔محمد بن قاسم کا لشکر 'دربو' کے مقام کو فوجی سامان کی نقل وحرکت کے لیے استعمال کرتا تھا جس سے مراد کراچی اور اس کی بندرگاہ لی جاتی ہے۔ایران کے بادشاہ 'دارا گشتاسب' کے درباریوں نے 'خراچی' لکھا ہے۔غلام شاہ کلہوڑو نے ۱۷۵۸ء کی دستاویزات میں 'کرانچر' لکھا ہے۔ہنری پوٹینگر نے اپنے سفرنامے میں ''خورعلی'' لکھا ہے۔دیگر ناموں میں قلاچو، قلاچی جو گوٹھ، قلاچی جو کنڈ، کراشی، قلاتی بندر، کراشیر' کا تذکرہ بھی تاریخی کُتب اور تحقیقی مقالات میں ملتا ہے جس کی وجہ تسمیہ بھی مختلف نوعیت کی حامل رہی ہے۔(۸) ۱۸۶۰ء میں چیمبر آف کامرس کراچی میں قائم ہوا تو باضابطہ طور پر ''کراچی'' کا نام اس شہر کے لیے مختص کیا گیا۔(۹) کراچی کے حوالے سے مزید تحقیق جاری ہے اب تک کی گئی تحقیقی کتب میں عثمان دموہی کی 'کراچی تاریخ کے آئینے میں'، احمد حسین صدیقی کی 'گوہرِ بحیرۂ عرب'، سیّد ادیب حسین کی 'کراچی اور اس کی بندرگاہ'، محمودہ رضویہ کی 'ملکۂ مشرق'، کھتری عبدالغفور کانڈا کریا کی 'کراچی کی کہانی تاریخ کی زبانی'، *Kurrachee: Past Present and Future* by Alexander F. Ballie, *Karachi 1839-1947* by Beharam Sohrab, H. J. Rustamjee وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔کراچی کے محلِ وقوع کے ضمن میں عثمان دموہی رقم طراز ہیں:

> کراچی دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر واقع ہے۔ یہ ڈویژن ۲۴ سے ۲۵ ڈگری شمال عرض البلد اور ۶۶ سے ۶۷ ڈگری شرق طول البلد کے درمیان ہے۔کراچی کے شمال مشرق میں ضلع دادو، جنوب مشرق میں ضلع ٹھٹھہ اور شمال مغرب میں ضلع لسبیلہ اور اِس کے جنوب اور جنوبی مغرب میں بحیرۂ عرب ہے۔(۱۰)

ڈاکٹر جاوید منظر کراچی کے حدود اربع کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ:

> کراچی کی چاروں سمتوں کو اس طرح واضح کیا جاتا ہے کہ کراچی کی حدود شمال مشرق میں ضلع دادو کے حدود سے ملتی ہیں۔مشرق میں ضلع ٹھٹھہ ہے۔جنوب میں بحیرۂ عرب اور دریائے سندھ کے طاس کی خلیجیں ہیں اور شہر کراچی کی مغربی حدود کو حب کا دریا ظاہر کرتا ہے۔دریائے حب صوبۂ سندھ اور صوبۂ بلوچستان کے مابین کیرتھر کے سلسلۂ کوہ کے درمیان میں واقع ہے۔اگر کراچی شہر کے شمالاً اور جنوباً اس لمبائی کو ناپا جائے تو یہ ۶۵ میل کے قریب بنتی ہے جب کہ چوڑائی میں یہ شہر تقریباً ۵۹ میل میں پھیلا ہوا ہے۔اس شہر کا کُل رقبہ ۱۳۶۲ میل پر محیط ہے۔کراچی شہر کو ریل اور سڑک کے ذریعے

پورے ملک سے ملایا گیا ہے۔ کراچی شہر کے شمال میں واقع سہون میں ایک بڑی قدرتی جھیل ہے جو منچھر کے نام سے موسوم اور سلسلہ کوہ کے دامن میں واقع ہے۔ اس جھیل کو دریائے حب پر بند بنا کر پانی کے ایک بڑے ذخیرے کی شکل میں بنایا گیا ہے۔ کراچی ڈویژن کے جنوب مشرقی علاقے کو دریائے سندھ کے طاس کا علاقہ شمار کیا جاتا ہے جو گھارو میرپور ساکرو سے ہوتا ہوا کیٹی بندر تک محیط ہے اور دریا کے اس پار شاہ بندر کا علاقہ ہے جو کسی دور میں کراچی کلکٹریٹ ہی کا حصہ تھا۔ دریائے سندھ کے طاس کا علاقہ کراچی سے ملحقہ ہے جس میں بن قاسم بندرگاہ ہے جو پاکستان اسٹیل کی تعمیر کے سبب بنائی گئی ہے۔ یہ علاقہ فٹی کریک کے ذریعے بحیرۂ عرب سے متصل ہے۔ کراچی ڈویژن مجموعی طور پر مغربی کوہستانی علاقے اور جنوب مشرقی مینگروز(Mangroues) سے بھری ہوئی خلیجوں کی وجہ سے خوب صورت مناظر پیش کرتا ہے۔ کیرتھر کی پہاڑی سلسلوں سے نکلنے والی ندیاں ملیر اور لیاری بھی کراچی ڈویژن سے ہوتی ہوئی کراچی کے ساحل میں گرتی ہیں۔ ان ندیوں نے کراچی کو گھیر رکھا ہے۔ درحقیقت یہ تمام ندیاں برساتی نالے ہیں جو بارش کے پانی کو شہر سے نکال کر سمندر میں پہنچا دیتی ہیں اور انھیں ندی نالوں کی وجہ سے ایشیا کا اہم ساحل کراچی کی قدرتی بندرگاہ بن گیا ہے۔[۱۱]

کراچی کا مذکورہ جغرافیائی احوال اکیسویں صدی میں مزید وسعت کا حامل ہو چلا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل مچھیروں کی بستی سے میٹروپولٹن سٹی کا سفر کراچی نے بڑی تیزی سے طے کیا ہے۔ ۲۰۱۵ء میں اسے امریکا کے شہر نیویارک کا جڑواں شہر قرار دیا گیا ہے۔[۱۲]

کراچی کو انگریزوں یا تاج برطانیہ نے ۱۸۳۹ء میں زیرنگیں کیا۔ ۱۸۴۳ء تک پورا سندھ برطانوی حکومت کے زیرِانتظام آچکا تھا۔ برطانوی حکمرانوں نے کراچی کو کاسموپولیٹن شہر کے طور پر ترقی دی۔ یہاں سڑکیں، چوراہے، بازار بنائیں۔ ذرائع آمدورفت کے لیے اونٹ گاڑی، تانگہ، وکٹوریہ کے ساتھ ساتھ ٹرام میں متعارف کرائی۔ فٹ پاتھ پر جانوروں کے لیے پانی کے برتن اور جانوروں کے ہسپتال بھی بنوائے۔ غرض یہ کہ کراچی کو ہر طرح سے اہمیت دی۔ تجارت اور دفاعی نقطۂ نگاہ سے تاجِ برطانیہ کراچی کی اہمیت سے واقف تھا۔ چارلس نپیئر نے رُخصت ہوتے وقت اس شہر کو ملکۂ مشرق کے نام سے یاد کیا۔[۱۳]

''تاریخِ سندھ'' میں عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

سندھ کا وہ حصہ جو انگریزی حکومت کے تابع ہے اس میں ۱۸۸۱ء میں ۴۸۰۱۴ میل مربع زمین تھی اور اسی سال ریاست خیر پور کے قبضے میں ۶۱۰۹ میل مربع زمین تھی۔ اسی حساب سے سندھ کا کُل رقبہ ۵۴۱۲۳ میل مربع زمین ہے جس پر ۳۴۱۷ شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ تمام شہروں میں ممتاز کراچی ہے جو بحیرۂ عرب کی ایک مشہور بندرگاہ ہے اور چوں کہ پنجاب، بلوچستان اور کابل وغیرہ جانے کے لیے تمام مال وہیں اُترتا ہے اس وجہ سے تجارت کی ایک بڑی منڈی بن گیا ہے۔ انگریزی حکومت نے اپنا سلطنت بھی اسی شہر کو قرار دے دیا ہے۔ جس کے سبب سے اس کی آبادی کو اور رونق ہوگئی ہے۔[۱۴]

رچرڈ بارٹلے کینڈی کے حوالے سے ''گوہرِ بحیرۂ عرب'' کے مصنف احمد حسین صدیقی لکھتے ہیں:

حکومتِ برطانیہ کا شہر کراچی پر قبضہ تجارتی اور سیاسی لحاظ سے نہایت قیمتی ہے۔ یہ شہر سندھ اور دریائے سندھ کی کلید ہے۔ راجپوتانہ سندھ، پنجاب، بلوچستان اور افغانستان کی بندرگاہ ہے۔ یورپ کے دارالحکومتوں سے قریب اور فوجی اعتبار سے بہترین مقام ہے۔[۱۵]

مذکورہ معروضات کراچی کی برّصغیر جنوبی ایشیا میں اہمیت اور افادیت پر دال ہیں۔ اب ہم کراچی کے علمی و ادبی منظرنامے کی بازیافت کے حوالے سے تاریخی و تحقیقی ماخذات کو دیکھتے ہیں۔

محمودہ رضویہ ''ملکہ مشرق'' میں رقمطراز ہیں:

ادبی کتاب جس میں کراچی کا ذکر آتا ہے میر علی شیر قانع کی ''مقالات الشعرا'' ہے جو ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) میں مرتب ہوئی...... اس میں مذکور ہے کہ شاہ نجم الدین کشمیر سے بہ ارادۂ حج ٹھٹھہ آئے اور براستہ کراچی عازمِ حج ہوئے۔[۱۶]

مرزا اسداللہ خاں غالب نے ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں مرزا ہر گوپال تفتہ سے کراچی کا ذکر کیا ہے۔[۱۷] ۱۸۶۱ء/ ۱۲۷۷ھ میں ''مفتاح باب الحساب'' ۱۸۶۵ء/۱۲۸۱ء میں اور ''دیوانِ گویا'' جیسی کُتب اُردو لیتھو پریس کراچی سے شائع ہوئیں۔[۱۸] جب کہ ''لبّ تاریخ سندھ'' کے مولف نے کمشنر سندھ سر ولیم میری ویدر کے واقعے کا حوالہ دیا کہ انھوں نے جاتے ہوئے مولف کو اُردو میں ہدایات دیں۔[۱۹] یعنی انگریزی حکومتوں کے عہد میں کراچی کی علمی زبان اُردو ہوگئی تھی۔ مقامی سطح پر بھی اُردو میں بول چال ہوا کرتی تھی اور اُردو لیتھو پریس بھی آچکا تھا جس کے سبب نشر واشاعت کی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔

ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق:

۱۸۸۳ء کی کراچی گائیڈ میں ایک اُردو اخبار ''دوربین'' کا بھی تذکرہ ہے جس کو مرزا

> مخلص علی کے چھوٹے بیٹے مرزا محمد جعفر نکالتے تھے۔ اس کا سن اجرا معلوم نہ ہوسکا، قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی اسی زمانے میں نکلا ہوگا۔[۲۰]

ڈاکٹر جاوید منظر اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

> مرزا مخلص علی خود بھی فارسی، سندھی اور اُردو کے نثر نگار تھے۔ اپنے ''سفرنامۂ ایران'' میں شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے ان کے ایک اخبار کا حوالہ دیا ہے۔ ان کے بیٹے مرزا صادق علی اور مرزا جعفر علی بھی فارسی، سندھی اور اُردو زبانوں کے اعلیٰ پائے کے مضمون نگار اور صحافی تھے۔ اسی خاندان نے کراچی میں کئی اخبارات جاری کیے۔[۲۱]

مزید لکھتے ہیں:

> شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے ایران جاتے ہوئے ۱۸۸۵ء میں کراچی شہر میں قیام کیا تھا اور وہ یہاں کے مسلمان اکابر سے بھی ملے تھے۔[۲۲]

۱۸۸۵ء میں حسن علی آفندی نے کراچی میں سندھ مدرستہ الاسلام کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں کراچی سندھ کے نمائندے بھی شریک تھے۔[۲۳]

محققین و مؤرخینِ کراچی متفق ہیں کہ ادبی سرگرمیاں ۱۸۷۰ء سے شروع ہوئیں۔ ادبی ادوار کے حوالے سے پہلا دور ۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۹ء، دوسرا دور ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۸ء یعنی پہلی جنگِ عظیم کا زمانہ تھا۔ تیسرا دور ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۶ء تک سمجھنا چاہیے۔ اس عرصے میں دوسری عالمی جنگ اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے اثرات کے ساتھ ترقی پسند تحریک کے قیام کے بعد کے منظرنامے کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق:

> باقاعدہ مشاعروں کا آغاز انیسویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی سے ہوا اور میر عبدالحسین سانگی نے اس کی داغ بیل ڈالی۔[۲۴]

۱۸۷۰ء سے قبل بھی مشاعروں کا رواج تو تھا لیکن ان کی نوعیت نجی محافل کی سی تھی۔ اجتماعی طور پر میر عبدالحسین سانگی نے مشاعروں کو رواج دیا، وہ خود بھی سندھی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ ابتدا میں مشاعرے سندھی کے تھے بعدازاں اُن میں اُردو شعرا بھی کلام پیش کرنے لگے۔ یوں یہ روایت کراچی، حیدرآباد، خیرپور، سکھر، شکارپور وغیرہ میں خوب پھلی پھولی۔ رؤسا کی محافل، خانقاہیں اُردو اشعار کی ترویج کا ذریعہ تھیں، رفتہ رفتہ دلّی اور لکھنؤ اور دیگر مقامات کی طرح عوامی مشاعروں کو فروغ حاصل ہوا۔ بقول ڈاکٹر شاہدہ بیگم:

بالخصوص کراچی کی صورتِ حال کو شمالی ہند کے کسی شہر کی سی ہو گئی تھی۔(۲۵)

۱۹۰۰ء سے کراچی کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یعنی بیسویں صدی عیسوی میں جہاں ایجوکیشنل کانفرنس اجلاسوں میں کراچی میں تعلیمی ترقی کے اقدامات سے متعلق قراردادیں پیش ہو رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ادبی مجالس اور مشاعروں کو بھی فروغ ہونے لگا تھا۔ ۱۹۰۶ء کے ڈھاکا اجلاس میں خیر پور کے وزیر اعظم سردار محمد یعقوب نے سندھ بشمول کراچی کی تعلیمی رپورٹ پیش کی اور ۱۹۰۷ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔(۲۶) اس اجلاس میں سندھ کے جید علما و مشاہیر شریک تھے جن میں شیخ صادق علی، خیر پور، مرزا قلیچ بیگ، منشی شمس الدین سندھی، قاضی فضل اللہ ٹھٹھہ، سر غلام حسین، سیٹھ طیب بھائی کراچی، میر اللہ بخش حاجی عبداللہ وغیرہ شامل تھے۔ اس جلسے کی صدارت مولانا الطاف حسین حالی نے کی تھی۔(۲۷)

انیسویں صدی کے اختتام تک اردو کے عوامی مشاعروں اور اردو رسائل و جرائد کی اشاعت عام تھی اس کا آغاز میر عبدالحسین سانگی کے عہد سے شروع ہوا۔ کراچی، حیدرآباد، خیر پور، سکھر، شکارپور، کے مشاعروں میں عوامی دل چسپی نظر آتی تھی۔(۲۸)

۱۹۱۱ء سے کراچی کے مشاعروں کے روحِ رواں شیخ نبی بخش محمد پناہ تھے جن کی ادبی خدمات تعارف کی محتاج نہیں پھر اُن کے بعد میر ایوب خاں کا نام بھی کراچی میں اُردو مشاعروں کے حوالوں سے معتبر ٹھہرا۔(۲۹)

۱۹۱۴ء میں ماسٹر ولایت حسین کی مساعی رنگ لائی اور انجمن ترقی اُردو کی شاخ کراچی میں قائم ہوئی۔ انجمن کے قیام نے اُردو مشاعروں، ادبی مجلسوں اور اُردو کے نشر و اشاعت میں اضافہ کیا۔(۳۰)

۱۹۱۴ء میں انجمن ترقی اُردو کی کراچی شاخ کے زیرِ اہتمام رام باغ میں میمن ڈبیٹنگ سوسائٹی میں ایک یادگار طرحی مشاعرہ منعقد کیا گیا۔(۳۱) اس کا مصرع طرح یہ تھا:

غلامِ ساقئ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

۱۹۱۸ء میں انجمن ترقی اُردو نے اُردو کانفرنس کا انعقاد کیا جس کی صدارت مرزا قلیچ بیگ نے کی۔(۳۲)

۱۹۱۹ء سے کراچی میں علمی و ادبی سرگرمیوں کا تیسرا دور شروع ہوا جس میں ہفتہ وار، پندرہ روزہ، ماہانہ مشاعروں کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور ان عوامی مشاعروں میں طرحی مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے جن میں سندھ بھر سے شعرائے کرام شرکت کرتے اور اکثر دیگر شہروں سے بھی شعرائے کرام تشریف لایا کرتے تھے۔

۱۹۲۰ء میں اُردو اور سندھی کے معروف شاعر جام میر ایوب خان انجمن ترقی اُردو کی کراچی شاخ کے صدر ہوئے۔ ان کی شخصیت اور ادبی و سماجی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اسی سال سیٹھ فدا حسین انجمن کے سیکریٹری ہوئے۔ ان حضرات نے اُردو کی ترویج اور مشاعروں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔(۳۳)

جام میر ایوب خان نے ''ضیاء الاسلام'' کے نام سے ادبی انجمن قائم کی اور اس انجمن کے تحت متعدد مشاعرے منعقد کروائے۔ ۱۹۲۰ء میں انجمن ترقی اُردو نے خیر پور میں اُردو کانفرنس منعقد کی۔ ۱۹۲۴ء میں یادگار طرحی مشاعرہ حیدرآباد میں منعقد ہوا جس کا مصرع طرح یہ تھا:

چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی(۳۴)

حیدرآباد میں منعقد اِس مشاعرے کی صدارت مرزا قلیچ بیگ نے کی۔ کراچی سمیت دیگر شہروں سے اکابر شعرا شریک ہوئے۔ بقول ڈاکٹر شاہدہ بیگم:

''مدّتِ دراز تک اس مشاعرے کے تذکرے رہے۔''(۳۵)

۱۹۲۶ء میں انجمن ترقی اُردو کے تحت یادگار مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت انجمن کراچی شاخ کے صدر جام میر ایوب نے کی جب کہ شعرا میں خواجہ حسن نظامی، میر غلام بھیک نیرنگ سمیت معروف نام شریک ہوئے۔ اس سال انجمن کے تحت اٹھارہ مشاعرے کراچی سمیت سندھ کے دیگر شہروں میں منعقد ہوئے اور اُردو کی ادبی روایت کے فروغ کا باعث بنے۔ اسی سال میر علی نواز نازؔ نے انجمن کی سرپرستی قبول کی۔(۳۶)

۱۹۲۷ء میں کراچی میونسپل کمیٹی نے اُردو ذریعۂ تعلیم کے اسکول قائم کیے۔(۳۷)

۱۹۲۷ء میں افسر صدیقی امروہوی کراچی سکونت پذیر ہوئے اور انجمن ترقی اُردو کی کراچی شاخ کے معتمد مقرر ہوئے۔ افسر صدیقی امروہوی کی انجمن آمد سے اُردو کی ادبی سرگرمیوں کو ایک نئی زندگی ملی۔ ۱۹۲۷ء ہی میں انجمن ترقی اُردو کراچی شاخ کے زیر اہتمام یادگار طرحی مشاعرہ خالق دینا ہال میں جام میر محمد ایوب خاں کی صدارت میں منعقد ہوا۔(۳۸) اس کا مصرع یہ تھا:

تیرے انداز ترے ناز پہ شیدا ہوں میں

اس مشاعرے میں کراچی کے نامور شعرا کرام جام میر ایوب خاں، افسر صدیقی امروہوی، شیدا اسرائیلی، قاتل لکھنوی، عبدالمجید، غلام نبی اوج، مولابخش ہمدم، محمد عمر خلیل، محمد بخش راز، غلام قادر غلام، عبدالکریم عزمی، گل محمد بلوچ، نذیر احمد نذیر، عبدالرحمان نسیم، عبدالستار عیش، محمد اسحٰق بیگ اصغر، نبی گل خاں صابر، رحمت علی قاضی وغیرہ نے کلام پیش کیا۔ منتخب نمونۂ کلام ملاحظہ کیجیے:

بن کے دیوانہ شریعت کا مکلّف نہ رہا
کیسا عاقل ہوں خرد مند ہوں دانا ہوں میں
(جام میر ایوب خاں)

صورِ محشر کی طرف کان لگے ہیں میرے
گور میں منتظر وعدۂ فردا ہوں میں
(افسر صدیقی امروہوی)

قابلِ دید نہ تھا یوں تو مریضِ اُلفت
آپ آئے ہیں اگر پوچھنے اچھا ہوں میں
(محمد عمر خلیل)

جس نے بخشے ہیں تجھے ناز و ادا و انداز
بے مروّت اسی اللہ کا بندہ ہوں میں
(محمد اسحٰق بیگ اصغر)

ہجر کی رات میں ہے لاکھوں بلاؤں کا ہجوم
ذات اللہ کی ہے اور اکیلا ہوں میں
(عبدالحمید حمید)[۳۹]

۱۹۲۷ء، ۱۴؍اگست کو انجمن کے زیرِ اہتمام مشاعرہ خالق دینا ہال میں منعقد ہوا۔[۴۰]

۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۸ء تک دو سال کے عرصے میں افسر صدیقی امروہوی نے ۲۹ مشاعرے انجمن ترقی اُردو کے زیرِ انتظام منعقد کرائے۔[۴۱] ۱۹۲۷ء میں ادبی سرگرمیوں کے فروغ میں دیگر انجمنوں کا ذکر خالی از علّت نہیں۔

۱۹۲۷ء میں ''بزمِ سخن'' کے نام سے ادبی انجمن قائم ہوئی جس کے تحت اُردو مشاعرے ادبی مجالس کو فروغ ملا۔ دیگر انجمنوں میں انجمن جمعیت الشعرا، انجمن اشاعتِ اُردو، بزمِ کیف، اُردو کلب کا قیام بھی ۱۹۲۷ء اور اس کے بعد عمل میں آیا۔ ان ادبی انجمنوں نے مشاعروں کے سلسلے کو کراچی سمیت دیگر شہروں اور اضلاع میں بھی فروغ دیا۔[۴۲]

۱۹۳۴ء کراچی میں اُردو سندھی کانفرنس منعقد ہوئی۔[۴۳]

۱۹۳۷ء، ۳۱؍دسمبر کو سندھ پراونشنل اُردو کانفرنس کا انعقاد خالق دینا ہال میں ہوا جس میں سندھ کے معروف محقق علامہ آئی۔آئی۔قاضی نے جامع اور بسیط مقالہ اُردو زبان کے حوالے سے پڑھا۔ اس کانفرنس کا دوسرا دور مشاعرے کا تھا

جس کی صدارت سیماب اکبرآبادی نے کی۔(۴۴) یہ طرحی مشاعرہ تھا۔ مصرع طرح یہ تھا:

ہر بندے کے لباس میں بندہ نواز ہے

جب کہ نظم کا عنوان ''انقلاب'' دیا گیا تھا۔ مناظمے کی روایت میں اس سے قبل پنجاب میں کرنل ہالرائیڈ کی مرہونِ منت تھی جب کہ کراچی میں پہلی بار طرحی مشاعرے اور موضوعاتی مناظمے کا انعقاد کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> نظم کی حد تک یہ سندھ میں پہلا قدم تھا جو کامیاب ہوا۔ اگلے مشاعروں میں اسی کی تقلید کی گئی۔ ساون، جنگ، قدیم و جدید تہذیب اور ایک شام وغیرہ کے عنوان پر نظمیں کہی گئیں۔(۴۵)

۱۹۳۸ء، ۱۷ر دسمبر کو اُردو کانفرنس علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی کی زیر صدارت خالق دینا ہال میں منعقد کی گئی۔ جس میں علامہ آئی آئی قاضی نے پر مغز خطبہ پیش کیا جو اردو زبان کی اہمیت و افادیت کے احساس سے معمور تھا۔(۴۶)

۱۹۴۰ء انجمن ترقی اُردو کراچی کے زیر اہتمام اُردو کانفرنس منعقد کی گئی۔ یہ کانفرنس کراچی شاخ کی پچیّس سالہ سال گرہ کے موقع پر منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس کے ساتھ ہی مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا تھا۔ کانفرنس میں پچیّس سال روئداد افسر صدیقی نے جب کہ پچیّس سالہ مشاعرہ رپورٹ رضا ہمدانی نے مرتب کی۔(۴۷)

۱۹۴۰ء سے انجمن ترقی اُردو کے معتمدِ اعزازی ڈاکٹر کاروانی نے ماہنامہ ''شعاعِ اُردو'' جاری کیا اور شعاع اُردو پبلشنگ ہاؤس بھی قائم کیا۔(۴۸)

۱۹۴۲ء میں حیدرآباد میں انجمن کی شاخ قائم کی گئی۔(۴۹)

۱۹۴۵ء میں منعقدہ ایک یادگار مشاعرے کا ذکر مولوی عبدالواحد سندھی نے بھی کیا ہے۔ یہ مشاعرہ دلّی یا لکھنؤ کے مشاعرے جیسی شان و شوکت لیے ہوئے تھا جس میں شعرا کی بڑی تعداد شریک تھی۔(۵۰)

۱۹۴۵ء میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کی بنیاد کراچی میں رکھی گئی۔(۵۱) اس انجمن کے تحت ہفتہ وار ادبی نشستوں کا سلسلہ چل نکلا اور ادیبوں، شعرا کے ساتھ ساتھ کالج کے طلبا نے بھی انجمن ترقی پسند مصنّفین سے وابستگی اختیار کی۔ مجموعی طور پر ہندوستان کا منظر نامہ سیاسی بساط پر نت نئی تحریکوں کا محرک ثابت ہو رہا تھا۔ ایسے میں کراچی میں قائم انجمن کی شاخ اس علمی و ادبی روایت کے تسلسل سے جڑ گئی جو کراچی میں قائم ہو چکی تھی اور اپنی انفرادیت میں دیگر شہروں سے ممیز تھی۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین کا اجمالی تعارف اگلے باب میں پیش کیا جائے گا۔

۱۹۴۶ء میں جمعیت الشعرا نامی انجمن قائم ہوئی۔ اس انجمن کے صدر ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل تھے جو دس برس اس

منصب پر فائز رہے۔ جمعیت الشعرا نے ماہوار اور سالانہ مشاعروں کی روایت کو آگے بڑھایا اور اُردو کے ساتھ ساتھ سندھی زبان کے طرحی مشاعروں کو بھی فروغ دیا۔[۵۲]

کراچی کے علمی و ادبی منظرنامے میں شاعری، مشاعروں کے ساتھ ساتھ نثرنگاری کو بھی ترقی ہوئی۔ اُردواخبارات، رسائل و جرائد کے ساتھ ساتھ افسانے، ناول بھی لکھے جانے لگے اور ہندوستان کے تمام بڑے شہروں کی طرح بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے اُردونظم ونثر میں جدید رُجحانات کوفروغ ملا۔ درج ذیل میں ہم قیامِ پاکستان سے قبل شائع شدہ کُتب کی فہرست[۵۳] پیش کرتے ہیں۔

۱۸۶۱ء ''مفتاح باب الحساب'' اُردو لیتھو پریس کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۸۶۵ء ''دیوانِ گویا''، فقیر محمد گویا، اُردو لیتھو پریس کراچی سے شائع ہوا۔

۱۸۸۱ء ''صورتِ بہار'' مجموعۂ غزلیات مطبع ودیا ونود کراچی سے شائع ہوا۔

۱۹۲۶ء مجموعۂ غزلیات کے عنوان سے انجمن کے تحت منعقدہ مشاعروں ۱۹۲۵ء۔ ۱۹۲۴ء کا انتخاب انجمن ترقی اُردو نے شائع کیا۔

۱۹۲۷ء ''خم خانۂ عشق''، منشی مولا بخش ہمدم کا شعری مجموعہ کراچی پریس سے شائع ہوا۔

۱۹۲۸ء ''پیمانۂ محبت''، منشی مولا بخش ہمدم کا شعری مجموعہ کراچی پریس سے شائع ہوا۔

۱۹۲۸ء ''نیرنگِ سخن''، ۱۴؍اگست ۱۹۲۷ء کے خالق دینا ہال میں منعقد مشاعرے کا انتخاب انجمن ترقی اُردو نے کراچی سے شائع کیا۔

۱۹۲۹ء ''تابشِ خیال''، مجموعۂ کلام افسر امروہوی، کراچی لیتھو پریس سے شائع ہوا۔

۱۹۳۱ء ''فروغِ بیان'' محمد ارشاد حسین شاد صابری کا مجموعۂ کلام کراچی سے شائع ہوا۔

۱۹۳۳ء ''صدائے مشرق'' عبداللہ فائق کی منظومات کا مجموعۂ کلام کراچی سے شائع ہوا۔

۱۹۳۹ء ''کلیمِ ادب''، منشی مولا بخش ہمدم کا مجموعہ کراچی سے شائع ہوا۔

۱۹۴۰ء ''دربارِ سخن'' کے عنوان سے شعرائے کراچی کا پہلا تذکرہ محمد ارشاد حسین شاد صابری نے مرتب کیا۔

۱۹۴۰ء پچیّس سالہ روئداد انجمن ترقی اُردو کراچی افسر صدیقی امروہوی نے مرتب کی۔ انجمن ترقی اُردو کراچی کے تحت فائن آرٹ لیتھو ورکس کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۹۴۰ء پچیّس سالہ رپورٹ مشاعرہ کمیٹی رضا ہمدانی نے مرتب کی جو انجمن نے فائن آرٹ لیتھو ورکس کراچی سے شائع کی۔

۱۹۴۰ء سے کراچی میں منعقدہ طرحی وغیر طرحی مشاعرے کہ جن میں جگر مرادآبادی، سیماب اکبرآبادی،

ماہر القادری، حفیظ جالندھری اور برصغیر کے دیگر اہم و نامور شعرائے کرام شرکت کیا کرتے تھے اور اردو کانفرنسوں کا اہتمام بھی شاہ وشوکت لیے ہوئے تھا۔ ۱۹۴۴ء میں منعقدہ اردو کانفرنس کے ضمن میں سیّد ہاشمی فرید آبادی رقم طراز ہیں:

> اردو کانفرنس ۱۹۴۴ء میں منعقد ہوئی۔ مرکزِ اردو کا قیام عمل میں آیا جس کے مہتمم حامد علی صاحب ندوی تھے۔ جگہ جگہ شاخیں کھولی گئیں۔ مدارس اور دارالمطالعے بنائے گئے۔ صوبائی حکومت نے اردو کی تعلیم لازمی کردی۔ انجمن ترقی اردو کی مدد سے درسی کتابیں تیار کرائی گئیں...... تقسیمِ ہند سے ٹھیک ایک سال پہلے کراچی میں ایک اور شان دار صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی۔ (ستمبر ۱۹۴۶ء) جس کا افتتاح جناب مولوی صاحب اور صدارت چودھری خلیق الزماں صاحب نے فرمائی۔[۵۴]

مذکورہ معروضات کی روشنی میں ہم قیامِ پاکستان سے قبل کراچی کے علمی و ادبی منظرنامے سے رُوشناس ہوتے ہیں۔ کراچی کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز اُنیسویں صدی میں ہوا۔ زبان کے ساتھ ساتھ شاعری نے کراچی کی علمی و ادبی فضا کو قائم کیا جس میں سندھ کے شعرائے کرام اور کراچی کے شعرائے کرام نے اپنا حصہ ڈالا۔ پریس کی آمد نے بھی اس ادبی فضا کی ترقی میں خاصا اہم کردار ادا کیا۔ صحافت، ادبی رسائل و جرائد اور شعری و نثری کتابوں کی طباعت میں بھی تیزی آئی۔ قیامِ پاکستان سے قبل کے علمی و ادبی منظرنامے میں بیسویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی تک تو زبان اور ادب کے فروغ کی کوششوں کا دخل رہا جن میں مشاعرے، کانفرنسیں وغیرہ اہم کردار ادا کرتی رہیں بعد ازاں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ مسلمان ممالک کی تنزلی، ہندوستان کی طبقاتی و سیاسی نوعیت اور دوسری عالمی جنگ نے ان ادبی روایات کے تسلسل میں سیاست کے اثرات کو نمایاں کیا ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ (الف): عثمان دموہی، ''کراچی کی دریافت''، مشمولہ ''کراچی اور اس کی بندرگاہ''، مصنّف: سیّد ادیب حسین، (کراچی: عظمیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۶۔۵

(ب): ڈاکٹر جاوید منظر، ''کراچی کے دبستانِ شاعری میں اُردو غزل کا ارتقا''، (کراچی: مکتب عالمین، ۲۰۱۲ء)، ص ۵۴۔۵۳

(ج): حمزہ حنیف مساعد، ''وادئ مہران''، ۲۴ جنوری ۲۰۱۷ء، چیف ایڈیٹر: انعام رانا، شائع شدہ مکالمہ ڈاٹ کام/لنک https://www.mukaalma.com/cattegory/Miscellaneous-articales. (Dated: 18 June 2018/ Time: 01:am)

۲۔ سیّد ادیب حسین، ''کراچی اور اس کی بندرگاہ''، (کراچی: عظمیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۹۔۱۸

۳۔ (الف): کھتری عبدالغفور کانڈا کریا، ''کراچی کی کہانی تاریخ کی زبانی''، (کراچی: توکل اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۴
(ب): سیّد ادیب حسین، محولۂ بالا، ص ۱۵
۴۔ (الف): عثمان دموہی، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''، (کراچی: انڈس پبلی کیشنز، سن ندارد)، ص ۱
(ب): ''کراچی کا خطِ زمانی اٹھارویں اُنیسویں صدیاں۔'' https://ur.wikipedia.org/wiki (Dated: 4 Jun 2018/ time: 8:pm)
۵۔ (الف): سیّد ادیب حسین، محولۂ بالا، ص ۱۹
(ب): طاہرہ انعام، ''تاریخِ کراچی''، شائع شدہ، https://hamariweb.com/articles/3666 (Dated: 4 Jun 2018/Time 12:am)
(ج): ''کراچی کا خطِ زمانی اٹھارویں اُنیسویں صدیاں۔'' https://ur.wikipedia.org/wiki (Dated: 4 Jun 2018/ Time 2:am)
۶۔ سیّد ادیب حسین، محولۂ بالا، ص ۱۸
۷۔ جاوید منظر، ڈاکٹر، محولۂ بالا، ص ۵۸
۸۔ سیّد ادیب حسین، محولۂ بالا، ص ۲۸۔۲۵
۹۔ (الف): محمودہ رضویہ، ''ملکۂ مشرق''، (کراچی: عباسی کتب خانہ، ۱۹۴۷ء)، ص ۵۶۔۵۴
(ب): عثمان دموہی، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''، محولۂ بالا، ص ۲۔۱
(ج): ''کراچی کا خطِ زمانی اٹھارویں انیسویں صدیاں''، محولۂ بالا
۱۰۔ عثمان دموہی، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''، محولۂ بالا، ص ۵۔۴
۱۱۔ جاوید منظر، ڈاکٹر، محولۂ بالا، ص ۵۶۔۵۵
۱۲۔ ''میگزین رپورٹ''، بلدیہ عظمیٰ کراچی، ۲۰۰۵ء
۱۳۔ محمودہ رضویہ، محولۂ بالا، ص ۱۵۶۔۱۵۴
۱۴۔ عبدالحلیم شرر، ''تاریخ سندھ''، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۳
۱۵۔ احمد حسین صدیقی، ''گوہرِ بحیرۂ عرب''، (کراچی: احمد حسین اکیڈمی، ۱۹۹۵ء)، ص ۶۳۔۶۲
۱۶۔ محمودہ رضویہ، محولۂ بالا، ص ۱۵۵۔۱۵۴
۱۷۔ خلیق انجم، ڈاکٹر (مرتّب)، ''غالب کے خطوط''، جلد اوّل، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۸ء)، ص ۳۱۶
۱۸۔ محمودہ رضویہ، محولۂ بالا، ص ۱۵۵۔۱۵۴
۱۹۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر، ''سندھ میں اُردو''، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۶۹
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۰
۲۱۔ جاوید منظر، ڈاکٹر، محولۂ بالا، ص ۱۷
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر، محولۂ بالا، ص ۱۶۸۔۱۶۷
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۶۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔۱۶۹
۲۶۔ محمد اسماعیل میرٹھی (مرتّب)، ''مقالاتِ سرسیّد احمد خاں''، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء)، ص
۲۷۔ (الف) شاہدہ بیگم، ڈاکٹر، محولۂ بالا، ص ۱۶۸

(ب) محمد عثمان دموہی، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''، محولۂ بالا،ص ۵۹۴

(ج) احمد حسین، ''گوہرِ بحیرۂ عرب''، ص ۲۳۳

(د) احمد علی، ڈاکٹر، ''دبستانِ کراچی کے شعری ادب پر سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی اثرات (۱۹۷۱ء تا ۲۰۱۰ء)''، غیر مطبوعہ مقالہ،مملوکہ سیمینار لائبریری، شعبۂ اُردو جامعہ کراچی، نگران مقالہ: صدر شعبۂ اُردو، پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد، ۲۰۱۶ء،ص ۳۵۔۳۲

۲۸۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۷۰۔۱۶۹

۲۹۔ ایضاً،ص ۱۷۱

۳۰۔ ایضاً،ص ۱۷۰

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً،ص ۱۷۱۔۱۷۰

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً،ص ۱۷۲

۳۷۔ جاوید منظر، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۷۳

۳۸۔ شاہدہ بیگم،محولۂ بالا،ص ۱۷۲

۳۹۔ ایضاً،ص ۱۷۵۔۱۷۲

۴۰۔ (الف): عثمان دموہی، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''،ص ۷۔۶

(ب) شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۷۴۔۱۷۲

۴۱۔ (الف) سیّد ہاشمی فرید آبادی (مرتّب)، ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اُردو''، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۸۷ء)،ص ۱۳۸۔۱۳۷

(ب) شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۷۵۔۱۷۲

۴۲۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۷۵۔۱۷۴

۴۳۔ جاوید منظر، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۷۵

۴۴۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۷۵

۴۵۔ ایضاً،ص ۱۷۶۔۱۷۵

۴۶۔ جاوید منظر، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۷۵

۴۷۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی (مرتّب)،محولۂ بالا،ص ۱۳۸۔۱۳۷

۴۸۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر،محولۂ بالا،ص ۱۸۶

۴۹۔ ایضاً،ص ۱۸۷

۵۰۔ ایضاً،ص ۱۷۶

۵۱۔ ایضاً،ص ۱۸۲

۵۲۔ ایضاً،ص ۱۸۴۔۱۸۳

۵۳۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔۱۹۵

۵۴۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۱۳۸

مآخذ

۱۔ احمد علی، ڈاکٹر، ''دبستانِ کراچی کے شعری ادب پر سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی اثرات'' (۱۹۷۱ء تا ۲۰۱۰ء)''، غیر مطبوعہ مقالہ، مملوکہ سیمینار لائبریری، شعبۂ اُردو جامعہ کراچی، نگران مقالہ: صدر شعبۂ اُردو، پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد، ۲۰۱۶ء۔

۲۔ ادیب حسین، سیّد، ''کراچی اور اس کی بندرگاہ''، کراچی: عظمیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔

۳۔ جاوید منظر، ڈاکٹر، ''کراچی کے دبستانِ شاعری میں اُردو غزل کا ارتقا''، کراچی: مکتب عالمین، ۲۰۱۲ء۔

۴۔ خلیق انجم، ڈاکٹر (مرتّب)، ''غالب کے خطوط''، جلد اوّل، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۸ء۔

۵۔ دموہی، عثمان، ''کراچی کی دریافت''، مشمولہ: کراچی اور اس کی بندرگاہ، مصنّف: سیّد ادیب حسین، کراچی: عظمیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔

۶۔ ______، ''کراچی تاریخ کے آئینے میں''، کراچی: انڈس پبلی کیشنز، سن ندارد۔

۷۔ رضویہ، محمودہ، ''ملکۂ مشرق''، کراچی: عباسی کتب خانہ، ۱۹۴۷ء۔

۸۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر، ''سندھ میں اُردو''، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۰ء۔

۹۔ شرر، عبدالحلیم، ''تاریخ سندھ''، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۸ء۔

۱۰۔ صدیقی، احمد حسین، ''گوہرِ بحیرۂ عرب''، کراچی: احمد حسین اکیڈمی، ۱۹۹۵ء۔

۱۱۔ کھتری، عبدالغفور کانڈا کریا، ''کراچی کی کہانی تاریخ کی زبانی''، کراچی: توکل اکیڈمی، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ میرٹھی، محمد اسماعیل (مرتّب)، ''مقالاتِ سرسیّد احمد خاں''، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء۔

۱۳۔ ہاشمی فرید آبادی، سیّد، (مرتّب)، ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اُردو''، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۸۷ء۔

رسائل و جرائد

۱۔ میگزین رپورٹ، بلدیہ عظمیٰ کراچی، ۲۰۰۵ء

ویب گاہیں

1. https://www.mukaalma.com/cattegory/Miscellaneous-articales. (Dated: 18June 2018/ Time:01:am)
2. https://ur.wikipedia.org/wiki (Dated: 4 Jun 2018/time:8:pm)
3. https://hamariweb.com/articles/3666(Dated: 4 Jun 2018/Time 12:am)